



ایک

(۹۲)

الْاٰیٰتِ

نام | پہلے ہی لفظ والقیل کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول | اس کا مضمون سورہ شمس سے اس قدر مشابہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک دوسرے کی تفسیر محسوس ہوتی ہیں۔ ایک ہی بات ہے جسے سورہ شمس میں ایک طریقہ سے سمجھایا گیا ہے اور اس سورہ میں دوسرے طریقے سے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں قریب قریب ایک ہی زمانے میں نازل ہوئی ہیں۔

موضوع اور مضمون | اس کا موضوع زندگی کے دو مختلف راستوں کا فرق اور ان کے انجام اور نتائج کا اختلاف بیان کرتا ہے۔ مضمون کے لحاظ سے یہ سورہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ آغار سے آیت ۱۱ تک ہے، اور دوسرا حصہ آیت ۱۲ سے آخر تک۔

پہلے حصہ میں سب سے پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ نوع انسانی کے افراد ما قوام اور گروہ دنیا میں جو سعی و عمل بھی کر رہے ہیں، وہ لازماً اپنی اخلاقی نوعیت کے لحاظ سے اسی طرح مختلف ہیں جس طرح دن رات سے اور زیادہ سے مختلف ہے۔ اس کے بعد قرآن کی مختصر سورتوں کے عام اندازہ بیان کے مطابق تین اخلاقی خصوصیات ایک نوعیت کی، اور تین اخلاقی خصوصیات دوسری نوعیت کی سعی و عمل کے ایک وسیع مجموعے میں سے لے کر بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں جنہیں سن کر ہر شخص بڑی آسانی کے ساتھ یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ ایک قسم کی خصوصیات کس طرز زندگی نمائندگی کرتی ہیں اور دوسری قسم کی خصوصیات اُس کے برعکس کس دوسرے طرز زندگی کی علامات ہیں۔ یہ دونوں نمونے ایسے چھوٹے چھوٹے خوبصورت چھٹکے نقرہوں میں بیان کیے گئے ہیں کہ سنتے ہی آدمی کے دل میں اتر جائیں اور زبان پر چڑھ جائیں۔ پہلی قسم کی خصوصیات یہ ہیں کہ آدمی مال دے، خدا ترسی و پرہیزگاری اختیار کرے اور بھلائی کو بھلائی مانے۔ دوسری قسم کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ بخل کرے، خدا اور ناراضی کی فکر سے بے پروا ہو جائے اور بھلی بات کو ٹھٹھا دے۔ پھر بتایا گیا ہے کہ یہ دو طرز عمل جو صریحاً ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اپنے نتائج کے اعتبار سے ہرگز یکساں نہیں ہیں، بلکہ جس قدر یہ اپنی نوعیت میں متضاد ہیں اسی قدر ان کے نتائج بھی متضاد ہیں۔ پہلے طرز عمل کو جو شخص یا گروہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے زندگی کے صاف اور سیدھے راستے کو سہل کر دے گا یہاں تک کہ اس کے لیے نیکی کرنا آسان اور بدی کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اور دوسرے طرز عمل کو جو بھی اختیار کرے گا

اللہ تعالیٰ اس کے پیسے زندگی کے بکٹ اور سخت راستے کو سہل کر دے گا یہاں تک کہ اس کے لیے بدی آسان اور نیکی مشکل ہو جائے گی۔ اس بیان کو ایک نہایت مؤثر اور تیر کی طرح دل میں بیوست ہو جانے والے جملے پر ختم کیا گیا ہے کہ دنیا کا یہ مال جس کے پیچھے آدمی جان دینے دیتا ہے، آخر قبر میں تو اُس کے ساتھ جانے والا نہیں ہے، مرنے کے بعد یہ اُس کے کس کام آئے گا؟

دوسرے حصے میں بھی اسی اختصار کے ساتھ تین حقیقتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ نے دنیا کی اس امتحان گاہ میں انسان کو بے خبر نہیں چھوڑا ہے بلکہ اُس نے یہ بتا دینا اپنے ذمہ لیا ہے کہ زندگی کے مختلف راستوں میں سے سیدھا راستہ کونسا ہے۔ اس کے ساتھ یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ اپنا رسول اور اپنی کتاب بھیج کر اُس نے اپنی یہ ذمہ داری ادا کر دی ہے، کیونکہ رسول اور قرآن، دونوں ہدایت دینے کے لیے سب کے سامنے موجود تھے۔ دوسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں کا مالک اللہ ہی ہے۔ دنیا مانگو گے تو وہ بھی اسی سے ملے گی اور آخرت مانگو گے تو اس کا دینے والا بھی وہی ہے۔ یہ فیصلہ کرنا تمہارا اپنا کام ہے کہ تم اُس سے کیا مانگتے ہو۔ تیسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ جو بد سخت اُس بھلائی کو جھٹلائے گا جسے رسول اور کتاب کے ذریعے سے پیش کیا جا رہا ہے، اور اُس سے منہ پھیرے گا اُس کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ نیا رہے۔ اور جو خدا ترس آدمی پوری بے غرضی کے ساتھ محض اپنے رب کی رضا جوئی کی خاطر اپنا مال راہِ خیر میں صرف کرے گا اس کا رب اُس سے راضی ہو گا اور اسے اتنا کچھ دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا۔

سُورَةُ الْيَلِّ مَكِّيَّةٌ

آيَاتُهَا ۲۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْيَلِّ إِذَا يَعُشُّ ۱ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۲ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ
وَالْأُنثَى ۳ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى ۴ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَ
اتَّقَى ۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۶ فَسَنِيسِرَاهُ لِلْيُسْرَى ۷

قسم ہے رات کی جبکہ وہ چھا جائے اور دن کی جبکہ وہ روشن ہو، اور اُس ذات کی جس نے
ترا اور مادہ کو پیدا کیا، درحقیقت تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔ تو جس نے (راہِ خدا میں)
مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا، اور بھلائی کو پس مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔

۱۔ یہ وہ بات ہے جس پر رات اور دن اور زور مادہ کی پیدائش کی قسم کھائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح رات
اور دن اور ترا اور مادہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اور ان میں سے ہر دو کے آثار و نتائج باہم منضاد ہیں، اسی طرح
تم لوگ جن راہوں اور مقاصد میں اپنی کوششیں صرف کر رہے ہو وہ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے مختلف اور
اپنے نتائج کے اعتبار سے متضاد ہیں۔ اس کے بعد کی آیات میں بتایا گیا کہ یہ تمام مختلف کوششیں دو بڑی اقسام
میں تقسیم ہوتی ہیں۔

۲۔ یہ انسانی ماسخی کی ایک قسم ہے جس میں تین چیزیں شمار کی گئی ہیں اور غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے
کہ وہ تمام خوبیوں کی جامع ہیں۔ ایک یہ کہ انسان زور پرستی میں مبتلا نہ ہو بلکہ کھلے دل سے اپنا مال، جتنا کچھ بھی اللہ نے
اُسے دیا ہے، اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے میں، نیکی اور بھلائی کے کاموں میں، اور خلقِ خدا کی مدد کرنے
میں صرف کرے۔ دوسرے یہ کہ اس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور وہ اخلاق، اعمال، معاشرت، معیشت، غرض اپنی
زندگی کے ہر شعبے میں اُن کاموں سے پرہیز کرے جو خدا کی ناراضی کے موجب ہوں۔ تیسرے یہ کہ وہ بھلائی کی تصدیق
کرے۔ بھلائی ایک وسیع المعنی لفظ ہے جس میں عقیدے، اخلاق، اور اعمال، تینوں کی بھلائی شامل ہے۔ عقیدے میں
بھلائی کی تصدیق یہ ہے کہ آدمی شرک اور دہریت اور کفر کو چھوڑ کر توحید، آخرت اور رسالت کو برحق مانے اور اخلاق و
اعمال میں بھلائی کی تصدیق یہ ہے کہ آدمی سے بھلائیوں کا صدور محض بے شعوری کے ساتھ کسی متعین نظام کے بغیر نہ
ہو رہا ہو، بلکہ وہ خیر و صلاح کے اُس نظام کو صحیح تسلیم کرے جو خدا کی طرف سے دیا گیا ہے، جو بھلائیوں کو اُن کی تمام اشکال

وَأَمَّا مَنْ يَخْلُ وَاسْتَغْنَى ۙ ۘ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۙ ۙ
فَسَنِيئَةٌ لِلْعُسْرَى ۙ ۙ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ۙ ۙ

اور جس نے نخل کیا اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا، اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ اور اُس کا مال آخر اُس کے کس کام آئے گا جبکہ وہ ہلاک ہو جائے ۹

ناپاک محسوس ہوگا جب تک وہ اس میں سے زکوٰۃ نکال نہ دے۔ غرض ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کو اس راستے پر چلنے کی توفیق و تائید ملے گی، حالات کو اُس کے لیے سازگار بنا یا جائے گا، اور اُس کی مدد کی جائے گی۔
یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے سورۃ بلد میں اسی راستے کو دشوار گزار گھاٹی کہا گیا ہے اور یہاں اس کو آسان راستہ قرار دیا گیا ہے۔ ان دونوں باتوں میں تطبیق کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس راہ کو اختیار کرنے سے پہلے یہ آدمی کو دشوار گزار گھاٹی ہی محسوس ہوتی ہے جس پر چڑھنے کے لیے اُسے اپنے نفس کی خواہشوں سے، اپنے دنیا پرست اہل و عیال سے، اپنے رشتہ داروں سے اپنے دوستوں اور معاملہ داروں سے، اور سب سے بڑھ کر شیطان سے لڑنا پڑتا ہے، کیونکہ ہر ایک اس میں رکاوٹیں ڈالتا ہے اور اس کو خوفناک بنا کر دکھاتا ہے۔ لیکن جب انسان بھلائی کی تصدیق کر کے اُس پر چلنے کا عزم کر لیتا ہے اور اپنا مال راہ خدا میں دے کر اور تقویٰ کا طریقہ اختیار کر کے عملاً اس عزم کو سچا کر لیتا ہے تو اس گھاٹی پر چڑھنا اس کے لیے آسان اور اخلاقی پستیوں کے کھڈ میں رُطھلنا اُس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔

۱۰ یہ انسانی مساعی کی دوسری قسم ہے جو اپنے ہر جُز میں پہلی قسم کے ہر جُز سے مختلف ہے۔ نخل سے مراد محض وہ نخل نہیں ہے جس کے لحاظ سے عام طور پر لوگ اُس آدمی کو نخل کہتے ہیں جو روپیہ جوڑ جوڑ کر رکھتا ہے اور اسے نہ اپنے اوپر خرچ کرتا ہے نہ اپنے بال بچوں پر، بلکہ اس جگہ نخل سے مراد راہ خدا میں اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں مال صرف نہ کرنا ہے اور اس لحاظ سے وہ شخص بھی نخل ہے جو اپنی ذات پر، اپنے عیش و آرام پر، اپنی دلچسپیوں اور تفریحوں پر تو خوب دل کھول کر مال ٹٹاتا ہے، مگر کسی نیک کام کے لیے اس کی جیب سے کچھ نہیں نکلتا، یا اگر نکلتا بھی ہے تو یہ دیکھ کر نکلتا ہے کہ اس کے بدلے میں اسے شہرت، نام و نمود، حکام رسی، یا کسی اور قسم کی منفعت حاصل ہوگی۔ بے نیازی برتنے سے مراد یہ ہے کہ آدمی دنیا کے مادی فائدوں ہی کو اپنی ساری تگ و دو اور محنت و کوشش کا مقصد بنا لے اور خدا سے بالکل مستغنی ہو کر اس بات کی کچھ پروا نہ کرے کہ کس کام سے وہ خوش اور کس کام سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ رہا بھلائی کو جھٹلانا، تو وہ اپنی تمام تفصیلات میں بھلائی کو سچ ماننے کی ضد ہے، اس لیے اس کی تشریح کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ بھلائی کی تصدیق کا مطلب ہم واضح کر چکے ہیں۔

۱۱ اس راستے کو سخت اس لیے کہا گیا ہے کہ اس پر چلنے والا اگرچہ مادی فائدوں اور دنیوی لذتوں اور ظاہری کامیابیوں

کے لالچ میں اس کی طرف جاتا ہے، لیکن اس میں ہر وقت اپنی نظرت سے اپنے ضمیر سے، خالق کائنات کے بنائے ہوئے قوانین سے، اور اپنے گرد و پیش کے معاشرے سے اس کی جنگ برپا رہتی ہے۔ صداقت، دیانت، امانت، شرافت اور عفت و عصمت کی اخلاقی حدوں کو توڑ کر جب وہ ہر طریقے سے اپنی اغراض اور خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، جب اس کی ذات سے خلق خدا کو بھلائی کے بجائے برائی ہی پہنچتی ہے، اور جب وہ دوسروں کے حقوق اور ان کی عزتوں پر دست درازیاں کرتا ہے، تو اپنی نگاہ میں وہ خود ذلیل و خوار ہوتا ہے اور جس معاشرے میں وہ رہتا ہے اس سے بھی قدم قدم پر لڑ کر اسے آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ اگر وہ کمزور ہو تو اس روش کی بدولت اسے طرح طرح کی سزائیں بھگنی ہوتی ہیں، اور اگر وہ مال دار، طاقتور اور با اثر ہو، تو چاہے دنیا اس کے زور کے آگے دب جائے لیکن کسی کے دل میں اس کے لیے خیر خواہی، عزت اور محبت کا کوئی جذبہ نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اس کے شریک کار بھی اس کو ایک خبیث آدمی ہی سمجھتے ہیں۔ اور یہ معاملہ صرف افراد ہی تک محدود نہیں ہے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتور قومیں بھی جب اخلاق کے حدود بچانے اور اپنی طاقت اور دولت کے زعم میں بدکرداری کا رویہ اختیار کرتی ہیں، تو ایک طرف باہر کی دنیا ان کی دشمن ہو جاتی ہے، اور دوسری طرف خور ان کا اپنا معاشرہ جرائم، خودکش، نشہ بازی، امراض خبیثہ، خانہ دانی زندگی کی تباہی، نوجوان نسلوں کی بدمرادی، طبقاتی کشمکش، اور ظلم و جور کی روز افزوں وبا سے دوچار ہو جاتا ہے، بیان تک کہ جب وہ بام عروج سے گرتی ہے تو دنیا کی تاریخ میں اپنے لیے لعنت اور پھسکار کے سوا کوئی مقام چھوڑ کر نہیں جاتی۔

اور یہ جو فرمایا گیا کہ ایسے شخص کو ہم سخت راستے پر چلنے کی سہولت دیں گے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے بھلائی کے راستے پر چلنے کی توفیق سلب کر لی جائے گی، برائی کے دروازے اس کے لیے کھول دیے جائیں گے، اسی کے اسباب اور وسائل اس کے لیے فراہم کر دیے جائیں گے، بدی کرنا اس کے لیے آسان ہو گا اور نیکی کرنے کے خیال سے اس کو یوں محسوس ہو گا کہ جیسے اس کی جان پر بن رہی ہے۔ یہی کیفیت ہے جسے دوسری جگہ قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ”جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے اور ایسا بھیجتا ہے کہ (اسلام کا تصور کرتے ہی اسے یوں محسوس ہونے لگتا ہے) جیسے اس کی روح آسمان کی طرف برداز کر رہی ہے“ (الانعام، آیت ۱۲۵)۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے ”بے شک نماز ایک سخت مشکل کام ہے مگر فرماں بردار بندوں کے لیے نہیں“ (البقرہ، آیت ۴۶)۔ اور منافقین کے متعلق فرمایا ”وہ نماز کی طرف آتے بھی ہیں تو گنہگار ہوتے آتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ کرتے بھی ہیں تو بادل ناخواستہ خرچ کرتے ہیں“ (التوبہ، آیت ۵۴)۔ اور یہ کہ ”ان میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں جو راہ خدا میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو اسے اپنے اوپر زبردستی کی جیسی سمجھتے ہیں“ (التوبہ، آیت ۹۸)۔

۱۰ دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ ایک روز اسے بہر حال مرنا ہے اور وہ سب کچھ دنیا ہی میں چھوڑ جاتا ہے جسے اس نے یہاں اپنے عیش کے لیے فراہم کیا تھا۔ اگر اپنی آخرت کے لیے کچھ کما کر وہ ساتھ لے گیا تو یہ مال اس کے کس کام آئے گا؟ قبر میں تو وہ کوئی کوٹھی، کوئی موٹر، کوئی جائیداد اور کوئی جمع پونجی لے کر نہیں جائے گا۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ۝۱۴ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۝۱۳ فَأَنْذَرْتُكُمْ
 نَارًا تَلَظَّىٰ ۝۱۳ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۝۱۵ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝۱۳
 وَسَيَجْزِيهَا الْآتِقَىٰ ۝۱۴ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۝۱۸ وَمَا لِأَحَدٍ
 عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُحْزَىٰ ۝۱۹ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۝۲۰
 وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ۝۲۱

بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے، اور درحقیقت آخرت اور دنیا، دونوں کے
 ہم ہی مالک ہیں۔ پس میں نے تم کو خبردار کر دیا ہے بھرکتی ہوئی آگ سے۔ اُس میں نہیں
 جھلسے گا مگر وہ انتہائی بد بخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ اور اُس سے دُور رکھا جائیگا
 وہ نہایت پرہیزگار جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے۔ اُس پر کسی کا کوئی احسان نہیں
 جس کا بدلہ اُسے دیتا ہو۔ وہ تو صرف اپنے رب برتر کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے۔ اور
 ضرور وہ (اُس سے) خوش ہوگا۔ ع

۵۴ یعنی انسان کا فائق ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی حکمت، اپنے عدل اور اپنی رحمت کی بنا پر
 اس بات کا ذمہ لیا ہے کہ اُس کو دنیا میں بے خبر نہ چھوڑے بلکہ اسے یہ بتا دے کہ راہ راست کونسی ہے اور غلط راہیں کونسی،
 نیکی کیا ہے اور بدی کیا، حلال کیا ہے اور حرام کیا، کونسی روش اختیار کر کے وہ فرمانبردار بندہ بنے گا اور کونسا رویتا اختیار کر
 کے بندہ نافرمان بن جائے گا۔ یہی بات ہے جسے سورہ نحل میں یوں بیان فرمایا گیا ہے کہ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ
 وَهِيَ جَارِيَةٌ رَائِيَةٌ (آیت ۹) "اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ بنانا جبکہ راستے ٹیرھے بھی موجود ہیں" (تشریح کے
 لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، النحل، حاشیہ ۹)۔

۵۵ اس ارشاد کے کئی مفہوم ہیں اور وہ سب صحیح ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا سے آخرت تک تم کبھی ہماری گرفت سے باہر
 نہیں ہو، کیونکہ دونوں جہانوں کے ہم ہی مالک ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہماری ملکیت دنیا اور آخرت دونوں پر بہر حال قائم ہے
 خواہ تم ہماری بتائی ہوئی راہ پر چلو یا نہ چلو۔ مگر اہی اختیار کرو گے تو ہمارا کچھ نہ بگاڑو گے، اپنا ہی نقصان کر لو گے، اور راہ راست
 اختیار کرو گے تو ہمیں کوئی نفع نہ پہنچاؤ گے، خود ہی اس کا نفع اٹھاؤ گے۔ تمہاری نافرمانی سے ہماری ملک میں کوئی کمی نہیں
 ہو سکتی اور تمہاری فرمانبرداری سے اُس میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ تیسرے یہ کہ دونوں جہانوں کے مالک ہم ہی ہیں۔ دنیا چاہو

گے تو وہ بھی ہم ہی سے تمہیں ملے گی اور آخرت کی بھلائی چاہو گے تو اس کا دنیا بھی جہاں سے ہی اختیار میں ہے۔ یہی بات ہے جو سورہ آل عمران آیت ۱۴۵ میں فرمائی گئی ہے کہ **وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا** جو شخص ثواب دنیا کے ارادہ سے کام کرے گا اس کو ہم دنیا ہی میں سے دیں گے اور جو ثواب آخرت کے ارادہ سے کام کرے گا اس کو ہم آخرت میں سے دیں گے۔ اور اسی کو سورہ شوریٰ آیت ۲۸ میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ **مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ** جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے دنیا ہی میں سے دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن، جلد اول، آل عمران، حاشیہ ۱۰۵۔ جلد چہارم الشوریٰ، حاشیہ ۲۷)۔

۱۵۹ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نہایت شقی کے سوا کوئی آگ میں نہ جائے گا اور نہایت شقی کے سوا کوئی اس سے نہ بچے گا۔ بلکہ بیان مقصود دو انتہائی متضاد کرداروں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں پیش کر کے ان کا انتہائی متضاد انجام بیان کرنا ہے۔ ایک وہ شخص ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کو ٹھٹھلا دے اور اطاعت کی راہ سے منہ پھیرے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو نہ صرف ایمان لائے بلکہ انتہائی خلوص کے ساتھ کسی یا کاری اور نام و نمود کی طلب کے بغیر صرف اس لیے اپنا مال راہ خدا میں صرف کرے کہ وہ اللہ کے ہاں پاکیزہ انسان قرار پانے کا خواہاں ہے۔ یہ دونوں کردار اس وقت مکہ کے معاشرے میں سب کے سامنے موجود تھے۔ اس لیے کسی کا نام لیے بغیر لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ جہنم کی آگ میں دوسرے کردار والا نہیں بلکہ پہلے کردار والا ہی ٹھٹھے گا، اور اس آگ سے پہلے کردار والا نہیں بلکہ دوسرے کردار والا ہی دور رکھا جائے گا۔

۱۶۰ یہ اس پر سب کا رآدی کے خلوص کی مزید توضیح ہے کہ وہ اپنا مال جن لوگوں پر صرف کرتا ہے ان کا کوئی احسان پہلے سے اس پر نہ تھا کہ وہ اس کا بدلہ چکانے کے لیے، یا آئندہ ان سے مزید فائدہ اٹھانے کے لیے ان کو بدیہ اور نفع دے رہا ہو اور ان کی دعوتیں کر رہا ہو، بلکہ وہ اپنے رب بزرگ کی رضا جوئی کے لیے ایسے لوگوں کی مدد کر رہا ہے جن کا نہ پہلے اس پر کوئی احسان تھا، نہ آئندہ ان سے وہ کسی احسان کی توقع رکھتا ہے۔ اس کی بہترین مثال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل ہے کہ مکہ معظمہ میں جن بے کس غلاموں اور لونڈیوں نے اسلام قبول کیا تھا اور اس قصور میں جن کے مالک ان پر بے تحاشا ظلم توڑ رہے تھے، ان کو خرید خرید کر وہ آزاد کر دیتے تھے تاکہ وہ ان کے ظلم سے بچ جائیں۔ ابن جریر اور ابن عساکر نے حضرت عامر بن عبد اللہ بن زبیر کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو بکر کو اس طرح ان غریب غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی پر روپیہ خرچ کرتے دیکھ کر ان کے والد نے ان سے کہا کہ بیٹا، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور لوگوں کو آزاد کر رہے ہو۔ اگر مضبوط جوانوں کی آزادی پر تم ہی روپیہ خرچ کرتے تو وہ تمہارے لیے قوت بازو بنتے۔ اس پر حضرت ابو بکر نے ان سے کہا ای ابہ انما ارید ما عند اللہ، اباجان، میں تو وہ اجر چاہتا ہوں جو اللہ کے ہاں ہے۔

۱۶۱ اس آیت کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اور دونوں صحیح ہیں۔ ایک یہ کہ ضرور اللہ اس سے راضی ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ حقیقتاً اللہ اس شخص کو اتنا کچھ دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا۔